ڈاکٹر برنارڈ لیوس

ضیاء پاشا اور نامق کمال کے سیاسی افکار

برنارڈ لیوس لندن یونیورسٹی میں مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ اور پیشِ نظر مقالہ انھوں نے بین الاقوامی مجلسِ مذاکرہ میں پڑھا تھا۔ ضیاء پاشا اور نامق کمال نے نوجوان ترکوں کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا تھا اور ان کے نظریات سے جس تحریک کا آغاز ہوا اس کا نتیجہ ترکی جمہوریہ کے قیام کی شکل میں نکلا۔

سلطنت عثمانیہ میں اٹھارہویں صدی کے اختتام ہی سے آئین پسندانہ اور لبرل خیالات سرایت کرنے لگے تھے۔ یوں تو صادق رفعت پاشا (۱۸۰۷ - ۱۸۵۶) کی تحریروں میں بھی اس قسم کے افکار کی مبہم جھلکیاں مل جاتی ہیں اور انہوں نے مصطفیٰ رشید پاشا اور سلطان عبدالمجید کی نافذ کردہ اصلاحات پر کسی قدر اثر بھی ڈالا تھا۔ اور اس سلسلے میں اصلاح پسند وزیر اعظم بیرقدار مصطفیٰ پاشا نے ۱۸۰۸ء میں امپیریل اسمبلی کا اجلاس استنبول میں اس لئے منعقد کیا تھا کہ ان اصلاحات کے پروگرام کی توثیق ہو سکے۔ اس کے بعد ۱۸۲۹ء میں مصر میں محمد علی پاشا نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور ۱۵۶ ارکین پر مشتمل ایک مشاورتی کونسل قائم کی جس کا اجلاس سال میں صرف ایک مرتبہ چند روز کے لئے ہوتا تھا اس کے علاوہ ۱۸۴۵ء میں خود سلطان عبدالمجید نے ایک اسمبلی قائم کی جس میں ولایات کے بعض سرکردہ اشخاص شامل تھے لیکن یہ تجربہ بھی کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۶۱ء میں تونس کے بے نے سب سے پہلے ایک اسلامی ملک میں مغربی طرز کے آئین کا نفاذ کیا تھا اگرچہ انتظامیہ کے اختیارات کو اپنے لئے محفوظ رکھا مگر قانون سازی کے اختیارات میں اس نے ایک نامزد کونسل کو بھی شریک کر لیا اور بالآخر ۱۸۶۶ء میں مصر کے خدیو اسمٰعیل نے پہلی بار ایک منتخب اسمبلی کے قیام کا تجربہ کیا۔

۱۸۶۰ء کے لگ بھگ پہلی دفعہ حکومت کے اعمال و افعال پر آزادانہ نکتہ چینی کی گئی اور آئینی اصلاحات کا ایک پروگرام بھی سامنے آیا۔ یہ افکار پہلے پہل ابراہیم شناسی، نامق کمال اور ان کے دوستوں کے حلقے میں ملتے ہیں اور ان کا اظہار اس عہد کے اخبار نویسوں اور رسالوں میں نظر آتا ہے۔ آزادی پسندوں کا یہ گروہ جسے "جواں سال ترکوں" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ۱۸۶۷ء میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اور ۱۸۷۱ء تک واپس نہ آ سکا۔

ضیاء پاشا

اس گروہ کی اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک ضیاء پاشا تھے (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۰ء) یہ شخص کسی اعتبار سے مغربیت کا غیر مشروط حامی نہ تھا اور اس کو کئی پہلوؤں سے ترکی کے لئے مضرت رساں سمجھتا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتا ہے کہ

"اگر ... ۵ سے ۱۲۵۵ھ تک (۵۹۲ تا ۱۸۳۹ء) سلطنت الخطاط کی راہ دو گھوڑوں والی بگھی کی رفتار سے چلی ہے تو ۱۲۵۵ھ سے ۱۲۸۵ھ تک (۱۸۳۹ تا ۱۸۶۹ء) ریل گاڑی کی سرعت سے آگے بڑھی ہے۔" ضیاء پاشا کو پارلیمانی حکومت کی افادیت اور ضرورت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

اس سلسلے میں اس کے افکار اس کی ان دو کتابوں میں ملتے ہیں۔ جو اس نے جلاوطنی کے زمانے میں لکھیں، ان کتابوں میں سے ایک کا عنوان ہے "خواب"۔ جو ضیاء نے بیبپ سٹیڈ ہیتھ" کی ایک بنچ پر سوئے ہوئے دیکھا تھا۔ ضیاء نے اس خواب کی تفصیل جس طریقے سے لکھی ہے۔ اس سے سترھویں صدی کے ترک شاعر ویسی کے خیالی مکالمات اور اسی نوع کی دوسری تصنیفات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس خواب میں ضیاء سلطان عبدالعزیز سے ہمکلام ہوتا ہے اور اسے ملک کے حال تباہ سے خبردار کرتا ہے۔ لیکن سلطان ضیاء پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ قومی اسمبلی کی تشکیل کی سفارش کر کے اس کے اقتدار کو صدمہ پہنچا رہا ہے۔ اس پر ضیاء یہ جواب دیتا ہے کہ اس قسم کی اسمبلی کے وجود میں آجانے پر ترکی دنیا کی مہذب حکومتوں کی صف میں کھڑا ہو سکے گا اور سلطان کے قانونی اختیارات کو بھی کوئی ٹھیس نہ پہنچے گی۔ پھر یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ براعظم یورپ میں دوسری حکومتوں کی حالت کیا ہے؟ کیا روس کے سوا کسی اور جگہ مطلق العنان حکومت کا وجود بھی ہے؟ اور کیا خود روس کی حکومت رفتہ رفتہ دوسری مغربی حکومتوں کے نقش قدم پر نہیں چل رہی ہے؟ پھر کیا فرانس، آسٹریلیا، اٹلی، پروشیا کے شہنشاہوں اور خود ملکہ انگلستان کی قوت اور شاہانہ اقتدار میں زار روس کے مقابلے میں کوئی کمی آگئی ہے؟ پھر جب ہماری حکومت بھی یورپی حکومتوں کے کنبے کی ایک رکن سمجھی جاتی ہے۔ تو کیا ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم دنیا سے کوئی الگ طریق کار اختیار کریں۔"

بعد ازاں ضیا کے اس خواب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلطان جمہوری و دستوری اصلاحات کی تائید میں ان باتوں سے مطمئن نظر نہیں آتا اور یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ ان تمام ملکوں میں سے ہر ایک میں ایک ہی قوم بستی ہے۔ اس کے برعکس میری حکومت میں مختلف المذاہب لوگ بستے ہیں اور چونکہ ہر گروہ اپنے مفاد کے حصول کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا قومی اسمبلی کشمکش کا ایک اکھاڑا بن کے رہ جائے گی اس سے انتشار پھیلے گا اور اختلافات ابھریں گے۔ ضیاء سلطان کے اس اعتراض سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے، "ہاں حضور والا اگر ہمارے ملک میں بننے والی قومی اسمبلی ابتدا ہی سے اس قسم کے اختیارات کی حامل ہو جو فرانس اور انگلستان کی پارلیمنٹوں کو حاصل ہیں، تو پھر آپ کا یہ ارشاد بجا ہوگا۔ لیکن میری مراد کچھ اور ہے۔ موجودہ اسباب کی بنا پر سلطنت عثمانیہ میں قائم ہونے والی قومی اسمبلی کو شروع شروع میں محدود اختیارات حاصل ہونے چاہییں، اور پھر جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے تو ان اختیارات کو توسیع دی جا سکتی ہے۔" ضیاء کا یہ خواب اس وقت ختم ہوتا ہے جب ایک پہریدار اسے جگا دیتا ہے۔

جلاوطنی کے زمانے میں ضیاء نے ایک اور مضمون لکھا جس میں رسول مقبول صلعم سے منسوب اس حدیث کو موضوع بنایا گیا ہے "میری امت میں اختلاف رائے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔" اس ارشاد کو جسے قبل ازیں شریعت مطہرہ کے مختلف مذاہب کے اختلافات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے پیش کیا جاتا تھا، ضیاء نے نئے معنی دیئے اور اسے اسمبلی کو وجود میں لانے کے لئے بطور

محبت پیش کیا، کیونکہ اس کے تحریک اسمبلی میں مختلف خیالات کے تصادم اور آویزش سے حقیقت نمایاں ہوگی، اور اس اسمبلی میں ذمے دار سیاستدانوں کو اپنے افعال کے لئے حزب اختلاف کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

نامق کمال

جواں سال ترک شعراء میں سے ایک اور بہت بڑے صاحب کمال شاعر نامق کمال (۱۸۸۸-۱۸۴۰) نے بھی اپنی نظم آزادی میں اس حدیث کو پیش کیا اور یہ نامق کمال ہی ہے جس کے افکار اور تحریروں نے بعد کے ترکی ادب اور سیاست پر گہرے اثرات چھوڑے، اور اس کا یہ اثر صرف ترکی تک محدود نہ رہا موجودہ دور میں بعض اوقات اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ کہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے آغاز میں، شام اور عراق کے عربوں کے ایک بہت اہم روشن دماغ طبقے نے ترکی کے مدرسوں ہی میں تعلیم پائی اور ترکی کے ان افکار کو جذب و قبول بھی کیا، چنانچہ جواں سال ترکوں کے سیاسی افکار کی بہت سی خصوصیات دنیائے عرب میں پھیلیں اور یوں بالواسطہ طور پر وسیع تر اسلامی دنیا بھی ان سے متاثر ہوئی۔

ترکی میں نامق کمال کو دو قسم کے افکار یعنی آزادی اور وطن پرستی کا پیامبر سمجھا جاتا ہے۔ اس نے مضامین، مقالوں اور ناولوں، ڈراموں اور نظموں کے ذریعے ترکی کے مسلمان قارئین کو انیسویں صدی کے یورپ کے لبرل خیالات کی خصوصیات سے روشناس کرایا لیکن یہ کچھ اس انداز سے کیا کہ یہ افکار مسلمانوں کی روایتوں اور نظریات کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نامق کمال ایک پرجوش وطن پرستی اور آزاد خیالی کے باوجود ایک سچا اور پکا مسلمان تھا چنانچہ جس وطن کی محبت کے نغمے وہ گاتا ہے اگرچہ وہ ایک خطۂ زمین ہی ہے، اور وہ ملت نہیں ہے پھر بھی وہ "اسلامی سلطنت عثمانیہ" کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے اپنی ساری زندگی میں وہ بڑی مضبوطی سے روایتی اسلامی اقدار اور عقیدوں سے وابستہ رہا، اور اکثر اس نے "تنظیمات" سے تعلق رکھنے والے حضرات پر بڑی سختی سے نکتہ چینی کی کیونکہ وہ لوگ قدیم اسلامی روایات کے بہترین حصے کی حفاظت میں ناکام رہے تھے یہی نہیں اس نے ان لوگوں کو اس بات کی دعوت بھی دی کہ وہ مغرب کے نئے اداروں کو اپنے ملک میں اپنانے کی کوشش کریں۔ اس کے ساتھ ہی نامق نے اسلامی اقدار کی حمایت کی اور ان اسلامی کارناموں کی مدافعت کا حق بھی ادا کیا جنہیں مغرب کے بعض لوگ گھٹا کر پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے عثمانیوں کی رہنمائی میں پان اسلامی وحدت کا نعرہ بھی بلند کیا تاکہ تہذیب جدید کو ایشیا اور افریقہ میں جذب کر کے یورپ کے جواب میں ایشیا کا "توازن طاقت" قائم کیا جا سکے۔

وہ مغربی تہذیب کے کارہائے نمایاں سے گہرے طور پر متاثر تھا، مگر اس کے نزدیک اسلامی دنیا کی پسماندگی "مطلق" نہیں بلکہ اضافی حیثیت رکھتی تھی جس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسلام میں بالذات کوئی نقص تھا، بلکہ یہ مغرب کا اقتدار تھا جس نے مشرق کو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے مواقع سے محروم کر دیا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اسلامی ریاستوں کو طرز جدید اختیار کرنا چاہئے لیکن اس میں نقالی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اور اپنی روایات، معتقدات اور اصولوں کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب کے بہترین عناصر وہی ہیں جو قدیم اسلامی روایات سے ماخوذ ہیں یا ان روایات کی سطح پر

پورے اترتے ہیں، چنانچہ اس کے نزدیک جب مسلمان مغربی تہذیب کو اپناتے ہیں تو وہ گویا درحقیقت اپنی ہی عمیق اور مستند روایات سے از سرِ نو رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہاں نامق کمال ایک ایسا استدلال اختیار کرتا ہے جو بعد میں مسلمانوں کے ہاں رومانوی اور تقالانہ حیثیت رکھنے والی تصنیفات میں اہم مقام اختیار کر گیا۔ اس قسم کے استدلال کا مقصد کبھی تو یہ ہوتا تھا کہ مغربیوں کی نظر میں اسلامی روایتی اقدار کے وقار کو بڑھایا جائے مگر بیشتر اس کا مقصد یہ رہا ہے کہ اصلاح پسندوں کے خیالات کو کٹر قسم کے سطحیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنایا جائے۔

نامق کمال کے سیاسی افکار بڑی حد تک، مانتسکیو اور روسو کے خیالات سے مشتق ہیں، اور حکومت کی عملی شکل سے متعلق اس کے نظریات لندن اور پیرس کی پارلیمنٹوں کے نظام پر مشتمل ہیں۔ اس کے سیاسی افکار پر جس چیز نے انتہائی گہرا اور پائیدار اثر چھوڑا وہ مانتسکیو کی تصنیف "روحِ قوانین" (ESPRIT DES LOIS) ہے جس کا اس نے ۱۸۶۳ء میں ترجمہ کیا اور مانتسکیو کے افکار کو اصولِ شریعت سے مطابقت دینی شروع کی۔ اس کا یہ اقدام بالکل ویسا ہی تھا جیسے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے ارسطو کے فلسفے اور قرآن مجید کے الہیاتی افکار میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں دونوں کی نئی توجیہیں کرنا ضروری ہو گیا۔ کمال کے نزدیک شریعت کے منصفانہ اور عقل پسندانہ احکام، مانتسکیو کے ان نیچرل اصولوں سے مختلف نہیں ہیں جنہیں مانتسکیو "فطرتِ اشیا" قرار دیتا ہے۔ اور جس سے قوانین نمودار ہوتے ہیں۔ لہٰذا کمال کے اس نقطۂ نظر کو خدا کے بارے میں ایک طرح کے صوفیانہ نقطۂ نظر سے مطابقت دی جا سکتی ہے۔

فطری یعنی خدائی قانون کا ایک بنیادی اصول آزادی ہے۔ کمال پہلا شخص نہ تھا جس نے ترکی میں انسانی حقوق اور پارلیمانی طرزِ حکومت کے بارے میں کچھ کہا ہو۔ لیکن وہی وہ پہلا شخص ہے جس نے ان دونوں چیزوں کو مربوط کیا، اور آزادی اور حکومتِ خود اختیاری کے بارے میں ایک واضح تصور قائم کیا۔ صادق رفعت پاشا نے انسان کے آزادی کے بنیادی حق کا مطالبہ تو کیا لیکن وہ اس حق کی حفاظت کے لئے اس کے سوا اور کوئی طریقہ تجویز نہ کر پایا کہ بادشاہ کو انصاف سے حکومت کرنی چاہئیے۔ اسماعیل ضیاء پاشا نے آئین اور اسمبلیوں کے نظریات تو پیش کئے مگر ان کے ذریعے وہ زیادہ سے زیادہ سلطنت عثمانیہ کو مغربی طرزِ حکومت کی شکل دینا چاہتا تھا۔ کمال کے نزدیک بھی حکومت کا اولین فرض انصاف سے حکومت کرنا ہے لیکن اس کے علاوہ اس نے شہریوں کے ایسے سیاسی حقوق کے بارے میں بھی ایک واضح نقطۂ نظر اختیار کیا جن کا احترام انصاف کی رو سے حکومت کے لئے واجب ہے اور اس نے وہ وسیلے بھی تلاش کر لئے جن کے ذریعے ان حقوق کی حفاظت بھی کی جا سکے۔

ان افکار کے لئے نامق کمال نے اسلام کے ماضی میں سے نمونے اور مثالیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی چنانچہ اس نے عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کو بیعت سے مطابقت دی جو ایک طرح سے ہر نئے خلیفہ کے تقرر کے وقت ایک رسمی حلف نامۂ اطاعت تھا جس کے ذریعے نئے حکمران اور رعایا میں معاہدے کی تکمیل ہو جاتی تھی۔ حکومت کی نمائندہ حیثیت اور حکومتی امور میں مشاورت کے اصول کے سلسلے میں اسے خود قرآن پاک سے استدلال مل گیا۔ اس ضمن میں قرآنی سورۃ کی

وہ آیت قابل ذکر ہے جس میں رسول اللہ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور ان سے صلاح مشورہ کریں۔ یہ وہ آیت ہے جسے نامق کمال ضیا پاشا اور ان کے رفیقوں نے خوب آگے بڑھایا، اور جو انیسویں صدی کے ترکوں اور دوسرے آزاد خیال مسلمانوں میں بہت مقبول تھی۔ کمال نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اصلاحات کی تحریک کے آغاز سے پہلے خود سلطنت عثمانیہ بھی ایک طرح کی نمائندہ حکومت ہوا کرتی تھی جتنی کہ اپنے خاتمے سے پہلے خود "ینی چری" کا عسکری نظام ایک اعتبار سے "قوم کی مسلح مشاورتی اسمبلی" کی حیثیت رکھتا تھا۔

مغربی پارلیمانی لوازموں کو اسلامی روایات سے مطابقت دینے کی یہ کوششیں اسلامی قانون کی تاویلوں اور تاریخی نقطۂ نظر سے تخریبی نکتہ چینی سے بچ نہیں سکیں۔ تاہم اس کے باوجود ان کوششوں کو نہ صرف سلطنت عثمانیہ بلکہ اس کے باہر بھی قبول حاصل ہوا۔ اور روشن دماغ مسلمانوں کی ایک پوری نسل ان افکار کی قائل ہو گئی۔ کیونکہ وہ روایتی اسلام سے مطمئن نہیں تھے جن لوگوں کو اسلام سے اتنا لگاؤ تھا کہ وہ مغرب سے حاصل کردہ اقدار کا جواز اپنے اسلامی عقائد سے مہیا کریں ان لوگوں کے افکار کے اثرات کا اندازہ نوجوان ترکوں کے انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے حالات سے کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۹ء کو عثمانوی پارلیمینٹ کا افتتاح کرتے ہوئے سلطان نے جو تقریر کی اس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے کہ

"یہ ایک ایسا پارلیمانی طرز حکومت ہے جو شریعت نے تجویز کیا ہے"

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہد انقلاب اور دور حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

صفحات ۵۰۶ - قیمت -/۸ روپے

سکرٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور